12

اگر انسان اپنے ہر کام کے شروع میں سوچ سمجھ کر بِسْمِ اللّٰہ پڑھے تو اُس کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور غیر معمولی علوم حاصل ہوں گے

(فرمودہ 3 /اپریل 1953ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"مجھے پچھلے ہفتہ سے نقرس کے درد کا پھر دورہ ہے۔ اسی وجہ سے گزشتہ جمعہ میں بھی میں نہیں آسکا۔ اب عام درد میں تو خدا تعالیٰ کے فضل سے نسبتاً افاقہ ہے اور پاؤں میں جو ورم ہوگیا تھا اُس میں بھی کمی ہے۔ لیکن ابھی سہارے کے بغیر سیڑھیاں اُترنا میرے لیے ممکن نہیں۔ اب بھی میں اتنا چل کے آیا ہوں تو پاؤں میں درد شروع ہوگیا ہے۔ ہموار سطح ہو تو اُس پر تکلیف کے بغیر چلا جاتا ہے اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ پاؤں میں جُوتی نہ ہو۔ اس لیے میں اختصار کے ساتھ ہی خطبہ بیان کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے قرآن کریم نازل فرمایا ہے اور قرآن کریم کا نزول اس ترتیب سے نہیں تھا جس ترتیب سے وہ اب ہمارے سامنے ہے۔ مثلاً کثرت سے اِس بارہ میں روایات

آتی ہیں۔ اور تمام محدث اور مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی آیت جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ 1 کی تھی۔ حالانکہ موجودہ قرآن میں وہ سب سے آخری پارہ میں ہے۔ اور آخری پارہ کے بھی آخری حصہ میں ہے۔ اب کجا سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور کجا قرآن کے سب سے آخری پارہ میں۔ اور آخری پارہ کے بھی آخری حصہ میں اس کا رکھا جانا یہ بتاتا ہے کہ الٰہی حکمت کے ماتحت قرآن کریم کے نزول کی دو ترتیبیں لازمی تھیں۔ ایک ترتیب وہ تھی جو ابتدائی مسلمانوں کے لحاظ سے اُن کے مناسبِ حال تھی اور ایک ترتیب وہ تھی جو آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لحاظ سے جب قرآن مکمل ہو چکا تھا مناسبِ حال تھی۔

اس کی دنیوی مثال یوں سمجھ لو کہ جیسے کھانا پکانے کے لیے باورچی کام شروع کرتے ہیں تو بعض دفعہ کھانے کی ترتیب کے لحاظ سے ایک چیز بعد میں آتی ہے۔ لیکن پکانے کے لحاظ سے باورچی اُس کو پہلے پکاتا ہے۔ اور کوئی چیز کھانے میں پہلے آتی ہے لیکن وہ اُس کو بعد میں پکاتا ہے۔ اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ چیز جو پہلے کھانی تھی تم نے بعد میں کیوں پکائی؟ تو وہ جواب دے گا کہ یہ کھانی بے شک پہلے تھی لیکن اس کے پکانے میں پندرہ منٹ لگتے ہیں۔ اگر اسے پہلے ہی پکا لیا جاتا تو اِس وقت تک یہ خراب اور باسی ہو جاتی۔ اور جو چیز بعد میں کھانی تھی بے شک وہ کھانی بعد میں تھی مگر اس کے پکانے میں اڑھائی تین گھنٹے لگتے ہیں۔ اگر اُس کو پہلے نہ پکایا جاتا تو یہ کچی رہتی پس اس کی ترتیب حکمت کے ماتحت ہوتی ہے۔ پکانے کی اَور ترتیب ہوتی ہے اور کھانے کی اَور ترتیب ہوتی ہے۔ جب وہ پکاتا ہے تو اس امر کو نہیں دیکھتا کہ پہلے کونسی چیز کھانی ہے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ جلدی کونسی چیز پکے گی اور دیر سے کونسی چیز پکے گی۔ جو جلدی پک جاتی ہے اسے وہ بعد میں تیار کر لیتا ہے اور جو دیر میں پکتی ہے اُسے وہ پہلے تیار کرنا شروع کرتا ہے۔ جو چیز دیر میں پکتی ہے اگر وہ اُسے دیر سے چڑھائے گا تو کھاتے وقت وہ چیز کچی ہوگی۔ پس وہ دیر سے پکنے والی چیز کو چولہے پر پہلے رکھ لے گا خواہ وہ آخر میں کھائی جانے والی ہو۔ اور جلدی پکنے والی چیز کو بعد میں تیار کرے گا خواہ وہ پہلے کھائی جانے والی ہو۔

یہ مثال میں نے اس غرض کے لیے دی ہے کہ بعض چیزوں کی استعمال میں اَور ترتیب ہوتی

ہے اور ان کی تیاری میں اَور ترتیب ہوتی ہے۔ یہی طریق دنیا کے ہر کام میں چلتا ہے۔ حکومتیں فوجیں تیار کرتی ہیں ۔ ملک کی تنظیم کرتی ہیں ۔لوگوں کو تعلیم دلاتی ہیں ۔ان کو مختلف فنون سکھاتی ہیں ۔تو بعض لوگ جنہوں نے پیچھے کام کرنا ہوتا ہے۔اُن کی تیاری پہلے شروع کر دیتی ہیں اور بعض جنہوں نے پہلے کام کرنا ہوتا ہے اُن کی تیاری بعد میں ہوتی ہے۔مثلاً کسی کام کی ٹریننگ چھ ماہ میں مکمل ہو جاتی ہے اور کسی کام کی ٹریننگ میں چار سال صرف ہوتے ہیں ۔اب خواہ ایک ہی وقت میں کام شروع ہونے والے ہوں تب بھی چار سال والے کی ٹریننگ پہلے رکھی جائے گی اور چھ ماہ والے کی بعد میں ۔ یا مثلاً عمارتیں اور پُل بنانے میں دیر لگتی ہے۔ان کو پہلے بنایا جائے گا اور ریل کی سڑکیں جو جلدی جلدی تیار کر لی جاتی ہیں ان کو بعد میں رکھا جائے گا۔فوجیں بعض دفعہ دس دس ،بیس بیس میل لمبی لائن ایک دن میں بچھا دیتی ہیں ۔لیکن پل بنانے پر بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔اس لیے پلوں کا انتظام اَور رنگ میں ہوگا اور ریلوں کا انتظام اَور رنگ میں ۔

یہی قرآن کریم کی ترتیب کا حال ہے۔قرآن کریم میں جو مضامین اس وقت کے لحاظ سے ضروری تھے ۔ جب وہ نازل ہو رہا تھا۔اُن کو خدا تعالیٰ نے پہلے رکھا کیونکہ اُس وقت قرآن کریم ابھی اپنی مکمل صورت میں اُن کے سامنے نہیں تھا۔انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ قرآن کیا ہوتا ہے۔ اسلام کیا ہوتا ہے۔رسول کیا ہوتا ہے۔ وحی کیا ہوتی ہے۔ الہام کیا ہوتا ہے۔خدا تعالیٰ سے تعلق کیا ہوتا ہے۔ بلکہ انہیں یہ بھی پتا نہ تھا کہ خدا کیا ہوتا ہے۔اس لیے اُس وقت پہلے ایسے مسائل بیان کئے گئے جو بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔مگر جب وہ مسائل زیر بحث آ گئے اور پندرہ بیس سال تک وہ لوگ قرآن کریم کی آیات اور اس کی تعلیم سنتے رہے تو اس کے بعد ان کی جو اولاد ہوئی۔اُس نے اپنے ماں باپ سے یہ باتیں سننی شروع کر دیں۔اور بچپن سے ہی اُن کے کان میں یہ ڈالا جانے لگا کہ خدا کیا ہوتا ہے، رسول کیا ہوتا ہے، الہام کیا ہوتا ہے۔ اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ نے کیوں مبعوث فرمایا۔ پس جب وہ بڑے ہوئے تو ان کی ذہنیت اَور قسم کی تھی اور ان کے ماں باپ کی ذہنیت اور قسم کی تھی ۔قرآن کریم جب نازل ہوا تو اُس وقت قرآن کریم کی بہت سی باتیں لوگوں کے لیے بالکل نئی تھیں ۔لیکن آئندہ اولاد کے لیے وہ باتیں پرانی ہو چکی تھیں ۔ مثلاً ایک مسلمان گھر میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو جاہل سے جاہل ماں باپ بھی اپنے بچہ کو

یہ ضرور سکھاتے ہیں کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو تم کہو خدا نے۔ لیکن یہی سوال مکہ کے بڑے سے بڑے آدمی سے بھی کیا جاتا تو وہ حیرت میں پڑ جاتا کہ میں اس کا کیا جواب دوں کہ مجھے لات نے پیدا کیا ہے یا منات نے پیدا کیا ہے یا عُزّٰی نے پیدا کیا ہے یاوُدّ نے پیدا کیا ہے یا ہُبَل نے پیدا کیا ہے۔ آخر میں کیا کہوں کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے۔ لیکن ایک مسلمان بچہ کے لیے یہ بالکل معمولی بات ہے۔

اسی طرح قضاء وقدر کا مسئلہ ہے۔ اس کے تفصیلی مسائل اور چیز ہیں۔ لیکن ایک مسلمان بچہ کے لیے تقدیر کا سوال بالکل معمولی ہے اور وہ جانتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ پس جہاں تک ایمان کا تعلق ہے یقیناً ہمارا بچہ اُس سے زیادہ جانتا ہے جتنا ابوجہل جانتا تھا۔ کیونکہ ابوجہل یہ بحث کرتا تھا کہ بتاؤ تقدیر کیا ہے؟ اور ہمارا بچہ چاہے جانے یا نہ جانے کہ تقدیر کیا ہوتی ہے بڑی دلیری سے کہتا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ پس تقدیر پر اس کا ایمان ہوتا ہے۔ چاہے تفصیلات سے وہ ناواقف ہو۔ لیکن ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو تو تقدیر کا لفظ بھی عجیب لگتا تھا۔ وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ سارے کام ہمارے بُت کرتے ہیں یا دیوی دیوتا اور جنّ بھوت اور پریت کام کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ قرعہ ڈال کر بکرا کسی دیوی کے نام پر چڑھا دیا تو سب کام ہو گئے۔ لیکن ہمارا بچہ کہتا ہے کہ سب کام خدا کرتا ہے۔ وہ اپنی ماں کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے اماں! مجھے فلاں چیز لے دو۔ تو وہ کہتی ہے بیٹا! اللہ دے گا تو لے دوں گی اور اس جواب سے اس کی تسلی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک تقدیر ایک یقینی چیز ہے۔ لیکن جب قرآن کریم نازل ہوا اُس وقت یہ ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اور لوگ حیران ہوتے تھے کہ قرآن نے یہ کیا بات کہہ دی ہے۔

اسی طرح توحید کو لے لو۔ توحید کے مسئلہ پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ لیکن جب ابتدا میں یہ تعلیم نازل ہوئی تو مکہ کے لوگ حیران ہوتے تھے کہ یہ توحید کیا چیز ہے۔ قرآن کریم میں ان کے خیالات کا عجیب نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرماتا ہے کافر کہتے تھے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عجیب انسان ہیں کہ انہوں نے سب معبودوں کو کوٹ کاٹ کر ایک بنا دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک لات اور منات اور عزیٰ وغیرہ کا قیمہ بنا کر ایک خدا بنا دیا گیا تھا۔ ان کے ذہن میں یہ آ ہی نہیں سکتا تھا کہ لات اور منات اور عزیٰ معبود ہیں ہی نہیں۔ وہ ایک کے یہ معنے سمجھتے تھے کہ ان سب کو ملا کر ایک بنا دیا گیا ہے۔

چنانچہ وہ کہتے تھے۔ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا[2] ہمارے بہت سے معبود تھے۔ مگر اس نے ان سب کو ایک بنا دیا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ ایک خدا پیش کرتا ہے یا کہتا ہے کہ دنیا کا ایک ہی پیدا کرنے والا ہے۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس نے بہت سارے معبودوں کو اکٹھا کر کے ایک بنا دیا ہے۔ گویا اُن کے نزدیک توحید کا پیغام لات، منات اور عزیٰ کو کُوٹ کاٹ کر ایک کر دینا تھا۔ اور وہ حیران ہوتے تھے کہ یہ کیا تعلیم ہے۔ لیکن آج ہمارا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی سمجھتا ہے کہ توحید کیا چیز ہے۔ کیونکہ وہ لات اور منات اور عزیٰ کو جانتا ہی نہیں۔ وہ پیدائش سے ہی سمجھتا ہے کہ ایک خدا ہے۔ اور ایک چھوٹے بچے کے لیے بھی یہ اتنا حل شدہ مسئلہ ہے کہ اگر اُسے کہو کہ ایک نہیں بلکہ کئی خدا ہیں تو وہ ہنس پڑے گا کہ مجھے بیوقوف بناتے ہو۔ لیکن ابوجہل کے سامنے جب یہ بات پیش کی جاتی تھی کہ خدا ایک ہے تو وہ بھی ہنس پڑتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ گویا ہمارے بچہ کے نزدیک یہ کہنا کہ ایک سے زیادہ خدا ہیں اُسے بیوقوف بنانا ہے اور ابوجہل کے نزدیک یہ کہنا کہ زیادہ معبود نہیں بلکہ ایک ہی معبود ہے اُسے بیوقوف بنانا تھا۔

تو بعد میں آنے والوں کے لیے ایک نئی ترتیب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پہلے سورہ فاتحہ رکھی، پھر سورۃ بقرہ رکھی، پھر سورہ آل عمران رکھی، پھر سورہ نساء رکھی۔ نزول کی ترتیب اُن لوگوں کے مطابق تھی جو اُس زمانہ میں تھے اور بعد کی ترتیب آئندہ آنے والی نسلوں کی ضرورت کے مطابق ہے۔ سورہ فاتحہ جو خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے رکھی ہے۔ اس کی پہلی آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔ کئی لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہ سورۃ کا حصہ نہیں۔ حالانکہ بِسْمِ اللّٰہ سورۃ کا حصہ ہے۔ بلکہ ہر سورۃ کا حصہ ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ ہر سورۃ کا حصہ ہے تو اس سے کسی سورۃ کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتے۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ سورۂ توبہ کا تو یہ حصہ نہیں۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مکمل سورۃ نہیں بلکہ سورۃ انفال کا ایک باب ہے۔ اصل سورۃ، سورۃ انفال ہی ہے۔ مگر چونکہ وہ اس سورۃ کا ایک مہتم بالشان ٹکڑا تھا اسے نمایاں حیثیت دینے کے لیے اسے الگ کر دیا گیا۔ اسی لیے اس پر بِسْمِ اللّٰہ نہیں لکھی گئی۔ کیونکہ درحقیقت وہ کوئی الگ سورۃ نہیں۔

پس بِسْمِ اللّٰہ قرآن کریم کی ہر مکمل سورۃ کا حصہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تمام انسانی افعال یا تعلقات خواہ وہ خدا تعالیٰ سے ہوں

یا بنی نوع انسان سے ہوں ان میں پہلا واسطہ رحمانیت سے ہوتا ہے۔ رحمانیت خدا تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس میں بغیر کسی کام اور استحقاق کے چیز مل جاتی ہے۔ وہ چیز کسی نماز کے بدلہ میں نہیں ملتی کسی روزہ کے بدلہ میں نہیں ملتی، کسی حج کے بدلہ میں نہیں ملتی، کسی زکوٰۃ کے بدلہ میں نہیں ملتی بلکہ مفت ملتی ہے۔ یہ مفت چیزیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی ملتی ہیں اور بندوں کی طرف سے بھی ملتی ہیں۔ اور تمام دنیا میں یہ قانون چل رہا ہے۔ مثلاً ماں باپ مرتے ہیں تو بچے کو ورثہ ملتا ہے۔ اب وہ کسی کام کے بدلہ میں نہیں ملتا بلکہ مفت ملتا ہے۔ امیر ماں باپ کے بچہ کو ان کی امارت کے مطابق حصہ مل جاتا ہے اور غریب ماں باپ کے بچہ کو اُن کی غربت کے مطابق حصہ مل جاتا ہے۔ مگر بہر حال ملتا ضرور ہے۔ کروڑ پتی ماں باپ ہوں تو بچوں کو پندرہ پندرہ بیس بیس لاکھ مل جائے گا۔ غریب ماں باپ ہوں تو دو دو تین تین سَو مل جائے گا۔ اَور زیادہ غریب ہوں تو دو دو تین تین روپے مل جائیں گے۔ مگر بہر حال دو ملیں یا دو سو ملیں یا دو ہزار ملیں یا اٹھنّی ملے جو کچھ ملتا ہے مفت ملتا ہے۔

اِسی طرح اساتذہ پڑھاتے ہیں۔ بے شک سکولوں کے اساتذہ تنخواہیں لیتے ہیں۔ لیکن مسجدوں میں بیٹھ کر جو لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں وہ بالکل مفت دیتے ہیں۔ اِس وقت آپ لوگ خطبہ سن رہے ہیں تو مفت سُن رہے ہیں۔ ہم درس دیتے ہیں تو مفت دیتے ہیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ تمہاری مرضی ہے چاہے تم جمعہ اور درس میں آؤ یا نہ آؤ بلکہ ہم مجبور کرتے ہیں کہ آؤ اور ہم سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور یہ فائدہ تمہارے کسی کام کے بدلہ میں نہیں ہوتا۔ اِسی طرح ہر مسجد میں خدا تعالیٰ کے ایسے کئی بندے بیٹھے ہوتے ہیں جو لوگوں کو دین کی باتیں سکھاتے ہیں۔ بے شک کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تنخواہیں لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو لالچی ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے بھی ہوتے ہیں جو بغیر کسی اُجرت کے خدا تعالیٰ کے توکل پر بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ اِس گرے ہوئے زمانہ میں بھی ہزاروں ایسے آدمی مل جائیں گے جو مساجد میں آ کر نمازیں پڑھا دیں گے، قرآن کا ترجمہ سکھا دیں گے، موٹے موٹے اسلامی مسائل لوگوں کو بتا دیں گے اور کوئی اُجرت نہیں لیں گے۔ گویا دونوں طرف سے رحمانیت چل رہی ہوتی ہے۔ اور اگر پڑھانے والے کچھ مالی فائدہ بھی اٹھا رہے ہوں تو ایک طرف سے رحمانیت اور ایک طرف سے رحیمیت جاری ہوتی ہے۔ پڑھانے والا اس لیے پڑھاتا ہے کہ میں ان لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں اور گزارہ دینے والا اس لیے دیتا ہے کہ یہ ہمارے فائدہ کا کام کر رہا ہے۔ لیکن ہزاروں لوگ

ایسے بھی ہیں جو ان کاموں کے بدلہ میں کوئی پیسہ نہیں لیتے۔ وہ نمازیں پڑھائیں گے، درس دیں گے، مسائلِ اسلامیہ سے آگاہ کریں گے۔ مگر کوئی اُجرت نہیں لیں گے۔ اور یہی لوگ اعلیٰ مومن اور متقی امام ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پیسے لینے جائز ہیں۔ مگر کامل مومن وہی ہے جو توکل پر آبیٹھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر خدا کسی کے دل میں تحریک پیدا کر دے گا تو وہ لے آئے گا میں نے نہیں مانگنا اور یہی اللہ تعالیٰ نے بِسْمِ اللّٰهِ میں ہمیں تعلیم دی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے یہ معنے ہیں کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بغیر کسی محنت، کام اور بدلہ کے آپ ہی ہمیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جتنی رحمانیت ظاہر ہوتی ہے بندوں کی طرف سے اُتنی ظاہر نہیں ہوتی بندے کی رحمانیت نہایت ہی محدود ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کی کئی ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں جو ماں باپ پوری ہی نہیں کر سکتے۔ بچہ اندھا ہو جائے تو ماں باپ اُسے آنکھیں نہیں دے سکتے۔ لنگڑا ہو جائے تو ماں باپ اُسے ٹانگ نہیں دے سکتے۔ بہرہ ہو جائے تو ماں باپ اُسے کان نہیں دے سکتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کتنوں کو آنکھیں دے رہا ہے۔ جن کو ان کے ماں باپ نے آنکھیں نہیں دیں۔ جس کے کان نہیں ہیں اس کو اس کے ماں باپ کان نہیں دے سکتے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس کے کان ہیں اُسے اس کے ماں باپ نے کان نہیں دیئے بلکہ خدا نے دیئے ہیں۔ یہ بھی سچی بات ہے کہ جو شخص لنگڑا ہے اُس کے ماں باپ اسے ٹانگ نہیں دے سکتے مگر ویسی ہی سچی بات یہ بھی ہے کہ جو شخص ہاتھ پَیر سلامت لے کر آیا ہے اُسے اُسکے ماں باپ نے ہاتھ پاؤں نہیں دیئے بلکہ خدا نے دیئے ہیں۔ پس اس کا مقابلہ ماں باپ سے کرنا حماقت اور نادانی کی بات ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔ تو بعض ماں باپ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی وقت دے دیتے ہیں اور کسی وقت غربت کی وجہ سے نہیں دے سکتے۔ اور پھر ماں باپ اگر بچوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو ساتھ ہی ان سے کام بھی لیتے ہیں۔ بے شک نوکری اس کا نام نہ رکھیں مگر سب ماں باپ گھروں میں اپنے بچوں سے کام لیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ تو کوئی بھی کام نہیں لیتا اور دیتا چلا جاتا ہے۔ کہتے ہیں راک فیلر 3 اربوں ارب کا مالک ہے۔ مگر وہ اپنے سارے روپیہ سے ایک آنکھ تو لے دے۔ اپنے سارے روپیہ سے ایک کان تو لے دے۔ بلکہ آنکھ اور کان تو الگ رہے وہ اپنے سارے روپیہ سے

ایک بال بھی نہیں لے سکتا۔ مگر یہ ساری چیزیں خدا نے امیر اور غریب سب کو یکساں دی ہیں۔ ہر ایک کو دو دو آنکھیں تقسیم کر دی ہیں، دو دو کان تقسیم کر دیئے ہیں، ایک ایک ناک تقسیم کر دیا ہے، ایک ایک زبان تقسیم کر دی ہے، بتیس بتیس دانت تقسیم کر دیئے ہیں اور کسی سے نہ پیسہ مانگا ہے نہ خدمت لی ہے۔ بلکہ اُلٹا لوگ خدا تعالیٰ کو گالیاں دیتے ہیں۔ پس حقیقی رحمانیت خدا تعالیٰ میں ہی پائی جاتی ہے۔ اور یہی سبق بِسۡمِ اللّٰہ میں دیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں بتایا گیا ہے کہ جب انسان کوئی کام شروع کرے تو سوچ لے کہ کیا مجھے اس کام کی توفیق تھی؟ اگر خدا مجھے اس کام کی توفیق نہ دیتا تو کیا میں کر سکتا؟ مگر وہ سوچے گا تو اس کی سمجھ میں آ جائے گا کہ جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کی وجہ سے ہی ہے۔ امیر آدمی روٹی کھاتا ہے تو کس شان سے اُس کا دستر خوان بچھایا جاتا ہے۔ کس شان سے نوکر آتے اور کس سلیقہ کے ساتھ کھانے چُنتے ہیں۔ اور پھر وہ کس تکبر کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا اور لُقمہ اپنے منہ میں ڈالتا ہے۔ لیکن وہ سوچے کہ اگر خدا رحمٰن نہ ہوتا تو کیا وہ اس شان کا اظہار کر سکتا تھا؟ اگر خدا رحمٰن نہ ہوتا تو جس ہاتھ کو اُس نے کھانے کے لیے بڑھایا ہے وہ ہاتھ ہی نہ ہوتا، جس منہ میں اُس نے لقمہ ڈالا ہے وہ منہ ہی نہ ہوتا، جن دانتوں سے اُس نے لُقمہ توڑا ہے وہ دانت ہی نہ ہوتے، جس معدہ میں اُس نے غذا ڈالی ہے وہ معدہ ہی نہ ہوتا، جو روٹی اُس نے کھائی ہے وہ روٹی ہی نہ ہوتی جو چاول اُس نے کھائے ہیں وہ چاول ہی نہ ہوتے، جو بوٹی اُس نے کھائی ہے وہ بوٹی ہی نہ ہوتی۔ یہ ساری چیزیں رحمانیت کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہیں۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ رحمان نہ ہوتا تو وہ بکرے کہاں سے آتے جن کا گوشت انسان کھاتا ہے۔ بے شک بکروں کا پالنا بھی ایک بڑا کام ہے مگر سوال یہ ہے کہ بکرا آیا کہاں سے؟ چاول کا بونا اَور چیز ہے۔ پر چاول آیا کہاں سے؟ گندم کی کاشت بھی محنت چاہتی ہے۔ لیکن کجا گندم کی کاشت اور کجا گندم کا دانہ مہیا کرنا جس سے ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔

پس بِسۡمِ اللّٰہ میں خدا تعالیٰ نے ہم کو یہ سبق دیا ہے کہ ہر کام کے کرتے وقت یہ سوچ لیا کرو کہ ہم نے کیا کیا ہے اور تم نے کیا کیا ہے۔ جب اس طرح تم غور کرو گے تو تمہیں ہماری رحمانیت کا پتا لگے گا اور تمہارے دل میں ہماری محبت بھی ترقی کرے گی۔ ہمارا شوق بھی بڑھے گا،

دنیا سے نفرت بھی پیدا ہوگی اور اصل منبع کی طرف توجہ پیدا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھ لیا کرو4۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ اگر تم بِسْمِ اللّٰہ پڑھو اور اس کے مضمون پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہارا غرور اور تکبر سب باطل ہے۔ ایک استاد جو لڑکوں کو پڑھانے لگتا ہے وہ کس تکبر کے ساتھ اپنا بید ہلا رہا ہوتا ہے کہ اگر ذرا بھی کسی نے حرکت کی تو اُسے مار مار کر سیدھا کر دے گا۔ پھر کس فخر کے ساتھ وہ بورڈ کی طرف بڑھتا ہے اور کس شان کے ساتھ چاک پکڑ کر اُس پر لکھتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں بہت بڑا عالم ہوں۔ حالانکہ اگر وہ غور کرے تو اُسے معلوم ہو کہ اُس کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ خدا نے علم کے کچھ ٹکڑے اُس کے حافظہ میں جمع کر دیئے ہیں۔ اگر وہ حافظہ نکال لیا جائے تو وہ ایک پاگل کی حیثیت اختیار کر لے اور بجائے ماسٹر بننے کے پاگل خانہ میں بھجوا دیا جائے۔ لیکن اگر وہ بِسْمِ اللّٰہ کہہ کر کمرہ میں داخل ہو تو اسے پتا لگے کہ میں پڑھانے نہیں آیا بلکہ خدا پڑھانے آیا ہے۔ یا جب وہ شادی کرے گا اور بِسْمِ اللّٰہ کے مضمون پر غور کرے گا تو اُسے معلوم ہوگا کہ مجھے اگر خاوند بننے کی قابلیت دی گئی ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے اور میری بیوی کو اگر بیوی بننے کی قابلیت دی گئی ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی دی گئی ہے۔ گویا ہر طرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہی چل رہا ہے میں تو صرف ایک کھلونا ہوں۔

جیسے زمیندار جب اپنی فصل میں جاتا ہے تو کس فخر سے کہتا ہے کہ میری سَوا ایکڑ زمین ہے، میری ہزار ایکڑ زمین ہے۔ لیکن اگر وہ بِسْمِ اللّٰہ کہے تو اُسے معلوم ہو کہ ایک انچ زمین بھی میں نے نہیں بنائی۔ سَوا ایکڑ ہے تب بھی خدا نے بنائی ہے اور ہزار ایکڑ ہے تب بھی خدا نے بنائی ہے۔ پھر اگر فخر کی چیز پیداوار ہے تو وہ کونسی میں نے بنائی ہے۔ جو بیج ڈالا گیا ہے وہ خدا نے بنایا ہے۔ جس زمین میں بیج ڈالا گیا ہے وہ خدا نے بنائی ہے۔ جو پانی دیا گیا ہے وہ خدا نے بنایا ہے۔ پھر بیل جو ہل چلاتے ہیں وہ کب میں نے بنائے ہیں۔ ہلوں کی لکڑی اور لوہا میں نے کب بنایا ہے۔ غرض اس طرح اگر وہ ایک ایک بات پر غور کرے گا تو اُسے معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہے وہ سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میرا تو صرف غرور ہی غرور ہے۔

غرض انسان اگر اپنے ہر کام کے شروع میں سوچ سمجھ کر بِسْمِ اللّٰہ پڑھے تو اُسے غیر معمولی علوم حاصل ہو جائیں۔ میں نے ایک طریق تمہیں بتا دیا ہے۔ اگر اِسی طریق پر تم سوچنے لگو

تو شام تک بڑے بھاری عالم بن جاؤ اور دوسرے دن اُس سے بھی بڑے عالم بن جاؤ۔ جو بھی کام کرنے لگو اس سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھو اور پھر سوچو تو تمہیں پتا لگ جائے گا کہ اس کام میں تمہارا کتنا حصہ ہے اور خدا تعالیٰ کا کتنا حصہ ہے۔ اگر تم اس طرح غور کرنے کی عادت ڈالو تو دو تین دن کے اندر اندر ہی تم عالمِ اسرارِ آسمانی بن جاؤ گے اور تمہاری ذہنیت اِتنی بلند ہو جائے گی کہ تم معمولی انسان نہیں رہو گے بلکہ بڑے مفید اور کارآمد وجود بن جاؤ گے۔ افسوس ہے کہ کہنے والا کہہ گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سبق سکھا دیا۔ مگر ہم اپنی بدقسمتی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبق کو یاد نہیں رکھتے اور اس طرح بہت سی نیکیوں اور علوم سے محروم رہتے ہیں۔"

(المصلح 22/اپریل 1953ء)

1: العلق:2

2: ص :6

3: راک فیلر:(John Davidson Rockfeller)(1839ءتا1939ء) امریکہ کا مشہور سرمایہ دار اور صنعت کار۔

4: سنن ابی داؤد کتاب الاشربة باب فی ایکاء الآنیةِ و صحیح البخاری کتاب التوحید باب السؤال باسماء اللّٰہ والاستعاذة بھا